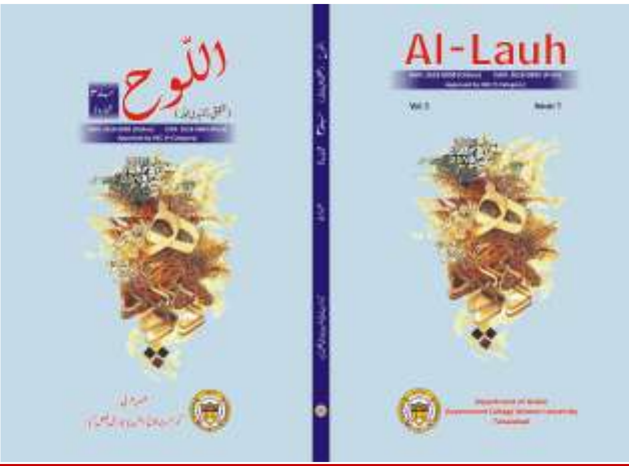

This work is licensed under a
Creative Commons Attribution 4.0 International License

Al-Lauh
Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2618-088X. (E) 2618-0898
Project of **Govt. College Women University Faisalabad,**
Madina Town, Faisalabad, Pakistan.
Website: www.allauh.com
Approved by Higher Education Commission Pakistan
Indexing: Euro Pub, Journal Factor, DOAJ, DRJI, Urdu Jaraid, Asian Research Index

TOPIC

اسلامی تعلیمات میں اعتدال وتوازن

MODERATION AND EQUILIBRATION ARE THE BASIS OF ISLAMIC THOUGHTS

AUTHOR

1. Dr. Fakhar Zaman, Assistant Professor, Government Graduate College Samanabad, Faisalabad
2. Dr. Humayun Abbas, Professor, Dean Islamic and Oriental Learning, Government College University, Faisalabad./Incharge Rehma tul lil Alameen Seerat Chair, Government College University, Faisalabad

How to Cite: https://allauh.pk/
https://allauh.pk/index.php/allauh/issue/view/4
Vol. 3, No.1 || January–June 2024 ||
Published online: 30-06-2024

اسلامی تعلیمات میں اعتدال وتوازن

Moderation and Equilibration are the Basis of Islamic Thoughts

ڈاکٹر فخر زمان[1] ڈاکٹر ہمایوں عباس[2]

Abstract:
The emphasis of the Prophetic teachings of Hazrat Mauhammad (PBUH) is on moderation in all aspects of life including belief system, society and an individual's obligations and rights. If we concentrate on the cosmological system, we'll come to know that this system merely depends on a certain Cosmogonic Equilibration. Eventually, the nature demands moderation and equilibration in our terrestrial life in order to establish a society on the basis of harmony. In this dissertation, the Islamic concept of moderation has been described that is related to all aspects of our terrestrial life including belief system, divine worships, lawful and unlawful acts, dietary restrictions, extravagance and religious obligations. A discussion has been made to reveal the fact that a society becomes biased and polarised if it's not based on moderation in all aspects of terrestrial life. In contemporary era, the society of Pakistan is prejudiced due to unbalance and indulgence resulting in the passive effects on an individual's life and state as well .
Keywords: Moderation, Harmony, Society, Obligations and rights

اسلامی تعلیمات اور سیرت نبوی پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اعتدال و توازن کسی بھی معاشرہ کی وہ اساس ہے جس پر معاشرہ کے تمام نظری و عقلی مظاہر کا دارومدار ہے۔ اعتدال کے معنی ہیں دو مقابل و متضاد پہلوؤں کے درمیان توازن قائم کرنا اس طرح کہ ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک پر بے جا طور پر زور نہ دیا گیا ہو اور دوسرا پہلو نظر انداز نہ کیا گیا ہو بلکہ دونوں کے درمیان برابر کا معاملہ ہو۔ جس طرح ترازو میں چیزیں تولی جاتی ہیں اور اگر دونوں پلڑے مساوی ہوں تو کہا جاتا ہے کہ میزان صحیح ہے۔ اسی طرح اعتدال میں عدل بنیادی عنصر ہے یعنی جس پہلو کا جو حق ہے اس کا لحاظ رکھا جائے اور ہر دو پہلوؤں کے ساتھ مکمل انصاف کیا جائے۔

دین اسلام افراط و تفریط کے درمیان اعتدال و توازن کا نام ہے اور یہ اعتدال وتوازن دین کے تمام احکام اور تعلیمات میں نمایاں ہے، عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات اور عام آداب زندگی میں ہر چیز میں اعتدال وتوازن کا حکم دیا گیا ہے جو اسلام کی ایک عظیم خصوصیت ہے۔ دنیا کے دیگر مذاہب و ادیان کی تعلیمات میں اعتدال و توازن مفقود ہے۔ اس حوالے سے اعتدال کی دو جہات قابل توجہ ہیں۔

(الف)　تکوینی امور میں اعتدال

(ب)　تشریعی امور میں اعتدال

(الف) تکوینی امور میں اعتدال و توازن:

یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے تکوینی امر سے پیدا ہوئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَه كُنْ فَيَكُوْنُ"[1]

"(اللہ) زمینوں اور آسمانوں کو ابتداً پیدا فرمانے والا ہے اور جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صرف یہ فرماتا ہے ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔"

اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ قرآن حکیم میں یوں بیان فرمایا ہے:

"اِنَّمَآ اَمْرُه اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَه كُنْ فَيَكُوْنُ"[2]

"اس کی شان تو بس یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرلے تو اس سے فرماتا ہے ہو جا، تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔"

اپنے گردونواح پر نظر ڈالیں تو ہمیں دن و رات، روشنی و تاریکی، سردی و گرمی، پانی، خشکی اور مختلف گیسیں نظر آتی ہیں۔ یہ سب ایک متعین مقدار کے ساتھ موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی حدود میں دخل اندازی نہیں کرتا اور نہ ہی اپنی مقررہ حد سے آگے بڑھتا ہے۔ یہی حال فضا میں موجود سورج، چاند، ستاروں اور کہکشاؤں کا ہے، یہ سب اپنے اپنے مدار میں چلتے ہیں، کوئی کسی سے نہیں ٹکراتا اور نہ ہی اپنے دائرہ سے باہر نکلتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ"[3]

"ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے۔"

ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ"[1]

---

[1] البقرۃ ۲:۱۱۷

[2] یٰس ۳۶:۸۲

[3] القمر ۵۴:۴۹

"نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے اور یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔"

نظامِ بادوباراں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَہٗ ثُمَّ یَجْعَلُہٗ رُکَامًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِہٖ ۚ وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْھَا مِنْۢ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَصْرِفُہٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ ۭ یَکَادُ سَنَا بَرْقِہٖ یَذْھَبُ بِالْاَبْصَارِ-یُقَلِّبُ اللّٰہُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ"[2]

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو چلاتا ہے، پھر ان کو آپس میں جوڑ دیتا ہے پھر ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔ پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان سے بارش ہوتی ہے اور وہ آسمان سے (برف کے) پہاڑوں سے اولے نازل کرتا ہے، پھر وہ جس پر چاہتا ہے اولے برسا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے، قریب ہے کہ بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی کو سلب کر لے، اللہ دن اور رات کو ادل بدل کرتا رہتا ہے، بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔"

اسی طرح ہواؤں کے بارے میں ہے کہ ہوائیں بھاری بادلوں کو لاتی ہیں، پھر ان بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں اور وہ بادل بارش برسنے کا باعث بنتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَھُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ ۭ حَتّٰٓی اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰہُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِہِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِہٖ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ کَذٰلِکَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ"[3]

"اور وہی ہے کہ اپنی رحمت سے پہلے خوش خبری دیتی ہوئی ہوائیں بھیجتا ہے یہاں تک کہ وہ (ہوائیں) بھاری بادل کو اٹھالاتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی غیر آباد زمین

---

[1] یٰس ۳۶:۴۰

[2] النور ۲۴:۴۳-۴۴

[3] الاعراف ۷:۵۷

کی طرف چلاتے ہیں، پھر ہم اس سے پانی برساتے ہیں پھر ہم اس سے ہر قسم کے
پھل پیدا کرتے ہیں، اسی طرح ہم (قیامت کے دن) مردوں کو (قبروں سے)
نکالیں گے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔"

ساری کائنات کی اشیاء کو بار بار دیکھ لیں کہیں بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی خلل اور رخنہ نظر نہیں آئے گا، اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ۔
ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ"[1]

"تمہیں (خداوند) رحمٰن کی آفرینش میں کوئی خلل نظر نہیں آئے گا۔ ذرا پھر نگاہ
اُٹھا کر دیکھ تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈالو لوٹ آئے گی تیری
طرف تیری نگاہ ناکام ہو کر دارں حالیکہ وہ تھکی ماندی ہو گی۔"

مذکورہ بالا آیات کو سامنے رکھتے ہوئے کائنات کے تکوینی امور میں بار بار غور و فکر کریں اور نظریں دوڑائیں تو کائنات میں کوئی خلل رخنہ نظر نہیں آئے گا بلکہ کائنات کے تکوینی امور میں مکمل اعتدال و توازن ہی نظر آئے گا۔

(ب) تشریعی امور میں اعتدال:

تکوینی امور کی طرح تشریعی امور میں بھی مکمل اعتدال و توازن نظر آتا ہے۔

(ا) عقائد میں اعتدال و توازن:

عقائد کے بارے میں سب سے پہلے وجود باری تعالیٰ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس بارے میں دو طرح کے نقطہ ہائے نظر سامنے آتے ہیں۔ ایک نقطہ نظر کے مطابق اس وسیع و عریض کائنات کا کوئی خالق و مالک نہیں ہے یہ خود بخود پیدا ہو گئی ہے اور خود بخود چل بھی رہی ہے، جب کہ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہاں ان گنت خدا ہیں جو نظام کائنات کو چلا رہے ہیں۔ ان دونوں نظریات سے ہٹ کر اسلام نے یہ واضح کیا ہے کہ یہ کائنات خود بخود پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس کو پیدا کیا گیا ہے، اس کو پیدا کرنے والا ایک خدا ہے اور وہی اس کائنات کو چلا رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"[2]

---

[1] الملک ۶۷: ۳۔۴

[2] ابراہیم ۱۴: ۱۰

"کیا (تمہیں) اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے جو پیدا فرمانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔"

تعدد الٰہ کی قرآن کریم نے اس طرح تردید کی ہے:

"ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ"[1]

"کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔"

قرآن کریم نے ان دونوں نقطہ نظر کی تردید کے بعد کہا کہ اللہ تو ایک ہے اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ"[2]

"اور تمہارا خدا ایک خدا ہے، نہیں کوئی خدا بجز اس کے بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔"

عقیدہ توحید میں اللہ کی ذات وصفات کی تعبیر و تشریح بیان کرتے ہوئے دنیا کے دیگر مذاہب کے ماننے والوں نے نہ صرف ٹھوکریں کھائی ہیں بلکہ اس بارے میں وہ افراط و تفریط کا بھی شکار ہوئے ہیں جیسے یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کو ایسی صفات سے متصف کیا ہے جو مخلوق کا خاصہ ہے۔ قرآن کریم نے یہود کے ان باطل عقائد کو بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ"[3]

"بے شک اللہ نے ان (گستاخوں) کا قول سنا جو کہتے ہیں کہ اللہ مفلس ہے اور ہم غنی ہیں۔"

اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ یوں بیان فرمایا ہے:

"وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُاللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ"[4]

[1] یوسف ۱۲:۳۹

[2] البقرۃ ۲:۱۶۳

[3] آل عمران ۳:۱۸۱

[4] المائدہ ۵:۶۴

"اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ جکڑا ہوا ہے۔ ان کے ہاتھ جکڑے جائیں اور لعنت ہو، ان پر بوجہ اس گستاخانہ قول کے، بلکہ اس (اللہ) کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔"

اس کے برعکس اسلام نے اپنے ماننے والوں کو یہ عقیدہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب و نقص سے پاک و مبرا ہے۔ یہودیوں کے برعکس نصاریٰ نے مخلوق کو خالق کی صفات سے مزین کر دیا۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ"[1]

"بے شک کافر ہوگئے وہ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تیسرا ہے تین (خداؤں) سے۔"

اسی بات کو ایک دوسری جگہ یوں بیان کیا ہے:

"لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ"[2]

"یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی تو ہے۔"

اسی طرح نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر احبار و رہبان کو اپنا رب بنالیا۔ ان کے اس عقیدہ کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے:

"اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ"[3]

"انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی۔"

یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں اسلام نے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کا عقیدہ بیان کیا ہے وہ افراط و تفریط اور ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ-اَللّٰهُ الصَّمَدُ-لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ-وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ"[4]

---

[1] المائدہ ۵:۷۳

[2] المائدہ ۵:۷۲

[3] التوبہ ۹:۳۱

[4] الاخلاص ۱۱۲:۱۔۴

"(اے حبیب ﷺ!) فرما دیجئے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے۔"

ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ"[1]

"اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔"

عقیدہ توحید کی طرح عقیدہ رسالت کے بارے میں بھی لوگ افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں۔ کسی نے تو بالکل اس بات کا سرے سے انکار کر دیا کہ انسان کی رشد و ہدایت کے لیے دنیا میں نہ ہی کوئی نبی آیا ہے اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ اس کے برعکس الہامی مذاہب کے پیروکار یعنی یہود و نصاریٰ بھی رسالت کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار ہوئے۔ مثلاً نصاریٰ نے نبوت و رسالت کو اتنا عام قرار دے دیا کہ انہوں نے بعض ایسے اشخاص کو بھی نبی و رسول تسلیم کر لیا جو حقیقت میں نبی اور رسول نہیں تھے جیسا کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ رُسل تھے۔ اس کے برعکس یہود، دوسری انتہا پر تھے وہ نبوت و رسالت کو تو تسلیم کرتے تھے لیکن انبیاء کی اتباع سے گریزاں تھے وہ نہ صرف ان کی تکذیب کرتے بلکہ بعض اوقات تو ان کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں اسلام نے نبوت و رسالت کو ایک خاص مقام و مرتبہ قرار دیا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو منتخب کرتا ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ کسی کو نبی و رسول نہ بنائے وہ نبوت و رسالت نہیں پا سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ"[2]

"اللہ چُن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بھی بعض کو رسول، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔"

ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ"[3]

---

[1] الشوریٰ ۴۲:۱۱

[2] الحج ۲۲:۷۵

[3] الانعام ۶:۹۳

”اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو۔“

عقائد میں غلو سے منع کرتے ہوئے نبی اکرم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا: عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ“[1]

”مجھے اتنا نہ بڑھاؤ جتنا نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو بڑھایا ہے، میں تو محض اللہ کا بندہ ہوں پس تم بھی یہی کہو کہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔“

(۲) حلال و حرام میں اعتدال:

اسلام اپنے احکام اور قانونی و سماجی نظام میں بھی راہِ اعتدال پر گامزن ہے۔ اسلام یہودیت کی طرح تحلیل و تحریم میں مبالغہ نہیں کرتا۔ یہودیت میں حرام اشیاء و افعال کی کثرت ہے حضرت یعقوب علیہ السلام نے کچھ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہودیوں کی حرکتوں کی پاداش میں ان پر بہت سی چیزیں حرام کر دی تھیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ كَثِيْرًا- وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ“[2]

”پس بوجہ ظلم ڈھانے یہود کے ہم نے حرام کر دیں ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لیے اور بوجہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے اکثر لوگوں کو روکنے کے باعث اور بوجہ ان کے سود لینے کے حالانکہ منع کیے گئے تھے اس سے اور بوجہ لوگوں کے مال کو ناحق کھانے کے باعث۔“

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، باب وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا، رقم: ۳۴۴۵

[2] النساء ۴: ۱۶۰۔ ۱۶۱

اسی طرح اسلام مسیحیت کی طرح اباحت میں بھی افراط نہیں کرتا۔ مسیحیت کا حال تو یہ ہے کہ تورات میں جن چیزوں کو واضح طور پر حرام قرار دیا گیا تھا اس نے ان چیزوں کو حلال کر دیا۔

اسلام نے تحلیل و تحریم کی ہے، لیکن تحلیل کو صرف اللہ تعالیٰ کا حق مانا ہے انسانوں کا نہیں، اسلام نے گندی اور ضرر رساں چیزوں کو حرام جب کہ پاکیزہ طیب چیزوں کو حلال قرار دیا ہے، اسی لیے اہل کتاب کے ہاں رسول اکرم نور مجسم ﷺ کے اوصاف یہ بیان کیے گئے:

"يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ"[1]

"وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں نیکی کا اور روکتا ہے انہیں بُرائی سے اور حلال کرتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اُتارتا ہے اُن سے اُن کا بوجھ اور کاٹتا ہے وہ زنجیریں جو جکڑے ہوئے تھیں انہیں۔"

(۳) عبادات میں اعتدال و توازن:

دنیا میں کچھ مذاہب ایسے ہیں جنہوں نے روحانی پہلو یعنی عبادات پر بالکل توجہ نہیں دی ہے مثلاً بدھ مت نے اپنے تمام فرائض صرف اخلاقی پہلو تک محدود رکھے ہیں جبکہ کچھ دیگر مذاہب نے اپنے ماننے والوں سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ کاروبار زندگی سے بالکل منہ موڑ کر اپنے آپ کو صرف اور صرف عبادت کے لیے مختص کر لیں۔ مثلاً جیسے عیسائیت میں رہبانیت وغیرہ۔

اسلام اس سلسلے میں بھی راہِ اعتدال پر گامزن ہے، اس نے مسلمانوں کے لیے کچھ عبادات روزانہ کے لیے فرض کی ہیں، جیسے پانچ نمازیں، کچھ عبادتیں سال میں ایک مرتبہ کے لیے فرض کی ہیں جیسے روزہ اور کچھ عبادات عمر بھر میں ایک مرتبہ ادا کرنے کے لیے فرض کی ہیں جیسے حج، تاکہ انسان کا تعلق اللہ سے ہمیشہ قائم رہے اور پھر وہ اللہ کی زمین میں چل پھر کر کاروبارِ زندگی میں لگا رہے اور اپنے لیے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرتا رہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ

---

[1] الاعراف ۷:۱۵۷

فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"[1]

"اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز تمہیں نماز کی طرف بُلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی جانب دوڑ کر آؤ اور خرید و فروخت بند کر دو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو، پھر جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرو تاکہ تم فلاح یاب ہو جاؤ۔"

دین و دنیا کے بارے میں مسلمان کا رویہ ہے کہ جمعہ کے دن بھی نماز سے پہلے کاروبار زندگی میں مشغول رہنا، پھر اللہ کے ذکر اور نماز کے لیے مسجد جانا، خرید و فروخت اور دیگر دنیاوی مشغلوں کو ترک کر دینا۔ پھر نماز کے ختم ہو جانے کے بعد حصول رزق کی تلاش میں اللہ کی زمین پر پھیل جانا یعنی کسی بھی حال میں اللہ تعالی کی یاد سے غافل نہ رہنا، یہی فلاح و کامرانی کی اساس ہے۔

عہد رسالت میں جب نبی اکرم ﷺ نے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عبادت میں بہت زیادہ افراط و تفریط کا مظاہرہ کرتے دیکھا جس سے ان کی جسمانی حالت انتہائی کمزور ہو گئی تھی اور ان کا خاندان، گھر والوں اور دیگر افرادِ معاشرہ سے تعلق کمزور ہوا، تو آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا: تمہارے بدن کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے، پس ہر حق دار کو اس کا حق دو۔[2]

اسی طرح صحابی رسول حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ وہ دنیاوی معاملات کو یکسر ترک کر کے دن رات عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ان کے مواخاتی بھائی تھے، ایک دن وہ ملاقات کے لیے تشریف لائے تو حضرت ابو درداء کی بیوی اُم درداء کو پریشان حال دیکھا، وجہ پوچھنے پر انہوں نے حضرت سلمان کو بتایا کہ تمہارے بھائی کو دنیاوی معاملات سے کسی قسم کا کوئی واسطہ نہیں ہے، اس پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مواخاتی بھائی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو سمجھاتے ہوئے فرمایا:

---

[1] الجمعہ ۶۲:۹۔۱۰

[2] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الادب، باب حق الضیف، رقم: ۶۱۳۴

"إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ"، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَدَقَ سَلْمَانُ"[1]

"آپ کے رب کا آپ پر حق ہے اور آپ کے نفس کا آپ پر حق ہے اور آپ کی اہلیہ کا آپ پر حق ہے۔ آپ ہر حق دار کا اس کو حق دیں، پھر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لے گئے اور آپ کو یہ واقعہ سنایا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سلمان نے سچ کہا ہے۔"

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ لوگوں کو لمبی نماز پڑھاتے ہیں تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے معاذ! تم لوگوں کو آزمائش میں ڈالتے ہو۔[2] اور فرمایا: تم میں سے کچھ اپنے عمل سے لوگوں کو دین سے دور بھگانے والے ہیں۔[3] پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اتنا عمل کرو جو تمہارے بس میں ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ اجر دینے سے نہیں تھکتا جب کہ تم اپنے عمل سے خود تھک جاتے ہو۔"[4]

ایک مرتبہ نبی رحمت ﷺ نے ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم اتنے اعمال کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اجر دینے سے نہیں اکتاتا حتی کہ تم عمل کرنے سے تھک جاتے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اعمال وہ ہیں جس کو عمل کرنے والا ہمیشہ کرے خواہ وہ عمل قلیل ہی کیوں نہ ہو۔[5]

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"راست روی اختیار کرو اور اعتدال سے کام لو اور یاد رکھو کہ کوئی شخص محض اپنے اعمال کی بنیاد پر جنت میں نہیں جائے گا (بلکہ بفضل ایزدی ہی جائے گا) اللہ

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الصوم، بَابُ مَنْ أَقْسَمَ عَلَى أَخِيهِ لِيُفْطِرَ فِي التَّطَوُّعِ وَلَمْ يَرَ عَلَيْهِ قَضَاءً، إِذَا كَانَ أَوْفَقَ لَهُ، رقم: ۱۹۶۸

[2] مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب القرأۃ فی العشاء، رقم: ۴۶۵

[3] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب تخفیف الامام فی القیام، رقم: ۷۰۲

[4] احمد بن حنبل، المسند، رقم: ۲۴۹۱۲

[5] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب الجلوس علی الحصیر ونحوہ، رقم: ۵۸۶۱

کو سب سے زیادہ محبوب عمل وہ ہے جس میں مداومت رہے اگر چہ وہ مقدار میں کم ہی ہو۔"[1]

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے وضو وغیرہ کے لیے پانی لاتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول رحمت ﷺ نے ان سے فرمایا: مانگو کیا مانگتے ہو، تو انہوں نے عرض کیا میں جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ، بِكَثْرَةِ السُّجُودِ"[2]

"اپنے معاملہ میں سجدوں کی کثرت کے ساتھ میری مدد کرو۔"

یہ روایت سجدہ کی اہمیت کو اجاگر کر رہی ہے مگر ایک دوسرے مقام پر سجود میں اعتدال سے کام لینے کا حکم دیتے ہوئے نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ"[3]

"سجدوں میں اعتدال سے کام لو۔"

قرآن کریم نے اہل کتاب کی جن بے اعتدالیوں کا تذکرہ کیا ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ان کو عبادات میں اعتدال سے کام لینے کو کہا گیا مگر انہوں نے ان میں غلو کیا اور رہبانیت اختیار کر لی اور اس کے نتیجے میں وہ شریعتِ الٰہی سے دور ہو گئے۔ قرآن مجید میں ان کی اسی حالت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

"وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا"[4]

"اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اسے اختیار کیا تھا پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جیسے اس کے نبھانے کا حق تھا۔"

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب القصد و المداومة علی العمل، رقم: ۶۴۶۴

[2] مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب فَضْلِ السُّجُودِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ، رقم: ۱۰۹۴

[3] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰة، باب: المصلی یناجی ربه عزو جل، رقم: ۵۳۲

[4] الحدید ۵۷: ۲۷

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو نہ تو ترکِ دنیا کا درس دیا ہے اور نہ غرقِ دنیا کا، بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں اعتدال و توازن کا درس دیا ہے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا“[1]

”جو مال اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا
میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔“

حدیث میں ہے کہ بہترین دعا وہ ہے جس میں فلاح آخرت کے ساتھ دنیا کی بھلائی کی تمنا کی گئی ہو۔ چنانچہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھائی ہے:

”رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ“[2]

”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا
فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“

(۴) کھانے، پینے اور پہننے میں اعتدال:

اسلام نے زندگی کے تمام معاملات میں اعتدال و توازن کی تاکید فرمائی ہے۔ کھانا زندگی کی بقا اور صحت کے لیے ضروری ہے لیکن اس میں بھی اعتدال کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوْا“[3]

”کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔“

نبی اکرم نور مجسم ﷺ نے بھی کھانے پینے اور خرچ کرنے کے معاملہ میں اعتدال سے کام لینے کا نہ صرف حکم دیا ہے بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھایا ہے۔ آپ کا طرزِ عمل ایک مسلمان کے لیے اُسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کی غذا معتدل اور انتہائی سادہ تھی۔ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے کبھی دو دن مسلسل جو کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی، یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔[4]

---

[1] القصص ۲۸:۷۷

[2] البقرۃ ۲:۲۰۱

[3] الاعراف ۷:۳۱

[4] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاءفی معیشۃالنبی واھلہ، رقم: ۲۳۵۷

صحابی رسول حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ کے پاس روٹی کا ایک ٹکڑا اور سرکہ تھا۔ آپ نے فرمایا: کھاؤ سرکہ بھی عمدہ سالن ہے۔[1]

علامہ ابو سلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اس کلام مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ کھانے کی اشیاء میں بھی اعتدال ہونا چاہیے۔[2]

آپ ﷺ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے تھے۔ علامہ عبد الرحمٰن ابن جوزی علیہ الرحمہ اس بارے میں لکھتے ہیں کہ ایک یا دو انگلیوں کے ساتھ کھانا تناول کرنے کا ٹھیک اہتمام نہیں ہو گا۔ (کھانا جلدی ختم نہیں ہو گا اور پوری طرح کھایا بھی نہیں جائے گا اور وقت بھی زیادہ صرف ہو گا۔) اور چار یا پانچ انگلیوں کے ساتھ کھانا کھانا منہ کے لیے تکلیف دہ ہو سکتا ہے اس لیے اعتدال تین انگلیوں کے ساتھ ہی کھانے میں ہے۔[3]

غرض آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"كُلُوا، وَاشْرَبُوا، وَالْبَسُوا، وَتَصَدَّقُوا فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ وَلَا مَخِيلَةٍ "[4]

"کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ خیرات کرو لیکن اسراف اور تکبر نہ کرو۔"

اسی طرح لباس انسان کے مزاج، رجحان اور شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ لباس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے:

"مَنْ لَبِسَ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ"[5]

"جو دنیا میں ریشمی لباس پہنے گا وہ آخرت میں اسے نہیں پہن سکے گا۔"

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جو لباس و پوشاک کی بنیاد پر فخر و مباہات کرے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔[6] لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ انسان میلے کچیلے یا پھٹے پرانے کپڑوں میں

---

[1] نسائی، احمد بن اشعث، سنن نسائی، کتاب الایمان و النذور، باب اذا خلف ان لا یاتدما فاکل خبزا، رقم: ۳۷۹۶

[2] الخطابی، حمد بن محمد، معالم السنن، المطبعۃ العلمیۃ، حلب، ۱۳۵۱ھ، ۴/ ۲۵۴

[3] ابن جوزی، عبد الرحمٰن، کشف المشکل من حدیث الصحیحین، دار الوطن، الریاض، س ن، ۲/ ۱۳۰

[4] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب قول اللہ تعالیٰ قل من حرم زینۃ اللہ التی أخرج لعبادہ، رقم: ۵۷۸۳

[5] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب لبس الحریر، رقم: ۵۸۳۳

[6] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من جر ازارہ من غیر خیلاء، رقم: ۵۷۸۴

ملبوس رہے۔ اس کی وضاحت آنحضور ﷺ نے ایک دوسری حدیث مبارکہ میں یوں فرمائی ہے: ”اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کے اثر کو اپنے بندوں پر دیکھنا چاہتا ہے۔“[1] نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

”إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ“[2]

”بے شک اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔“

اسی طرح شریعت اسلامیہ نے انسان کو چال ڈھال اور گفتار و کردار میں بھی میانہ روی اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ“[3]

”اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو اور اپنی آواز پست رکھو، بے شک سب آوازوں سے زیادہ وحشت انگیز آواز گدھے کی آواز ہے۔“

(۵) خرچ کرنے میں اعتدال:

اسلام کسی بھی شخص کو اس کے جائز حاصل کردہ مال میں حسبِ منشاء تصرف کرنے کی پوری آزادی دیتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بات یقینی بناتا ہے کہ تصرفِ مال کے عمل سے معاشرہ پر بُرے اثرات مرتب نہ ہوں۔ کیوں کہ انسان پیسے خرچ کرنے میں بھی عام طور پر بے اعتدالی کا مظاہرہ کرتا ہے، کبھی وہ اسراف و تبذیر سے کام لیتا ہے اور کبھی کنجوس بن جاتا ہے، یہ دونوں رویے غیر متوازن ہیں۔ دین اسلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنی جائز ضروریات میں خرچ کرے لیکن حد سے تجاوز نہ کرے۔ ناجائز اغراض پر صرف مال کو قرآن تبذیر سے تعبیر کرتا ہے۔

”وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا- إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوٓا إِخْوٰنَ الشَّيٰطِينِ“[4]

”اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔“

اسی طرح جائز اغراض پر ضرورت سے زیادہ مال خرچ کرنے کو قرآن اسراف سے تعبیر کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، کتاب الادب، باب ما جاء ان اللہ تعالیٰ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ، رقم: ۲۸۱۹

[2] مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر و بیانہ، رقم: ۲۶۵

[3] لقمان ۳۱: ۱۹

[4] بنی اسرائیل ۱۷: ۲۶-۲۷

"كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ"[1]

"کھاؤ، پیو اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

امام ماوردی علیہ الرحمہ نے اسراف و تبذیر کے اس فرق کو یوں بیان کیا ہے مقدار میں حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے جب کہ مواقع سرف و خرچ میں حد سے تجاوز کرنا تبذیر ہے۔[2]

ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا"[3]

"نہ تو اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ رکھو اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔"

اس آیت مبارکہ میں بھی اعتدال کا حکم دیا گیا ہے کہ نہ تو تم بخل سے کام لو کہ استطاعت رکھنے کے باوجود کسی غریب، نادار اور ضرورت مند کی مدد سے ہاتھ روک لو، اگر تم ایسا کروگے تو معاشرے کے ضرورت مند لوگ نہ صرف تم سے نفرت کریں گے بلکہ حقارت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور طرح طرح سے تمہیں ملامت کریں گے۔ اس کے برعکس اگر تم فضول خرچی کروگے تو نتیجتاً تم خود ہی مفلس و کنگال ہو جاؤ گے۔

شیخ وہبہ الزحیلی انفاق میں اعتدال کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آدمی خرچ کرنے میں بھی اعتدال کی روش اختیار کرے نہ اپنے ہاتھ گردن سے باندھ لے یعنی خرچ کرنے سے جائے، اپنی ذات، اہل و عیال، رشتہ داروں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل سے کام لے اور نہ اپنی طاقت سے زیادہ خرچ کرے کہ انجام کار ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھ جائے۔[4]

خرچ میں اعتدال کی روش اختیار کرنے والا کبھی معاشی پریشانی کا شکار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی صفت خرچ میں اعتدال بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا"[1]

---

[1] الاعراف ۷:۳۱

[2] سید محمود آلوسی، روح المعانی، ۱۵/ ۵۹

[3] بنی اسرائیل ۱۷:۲۹

[4] وہبہ الزحیلی، التفسیر الوسیط، دار الفکر المعاصر، بیروت، لبنان، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء، ۲/ ۱۳۴۲

"اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ ان کا معاملہ دو انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔"

غرض دین اسلام زندگی کے تمام امور میں میانہ روی کا درس دیتا ہے۔ علامہ ابن قیم جوزیہ کے بقول دین اسلام کا مدار ہی سنت نبوی ﷺ کو مضبوطی سے تھامنے اور میانہ روی پر ہے۔ علامہ ابن قیم اس بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

"ان الاقتصاد والاعتصام **بالسنة** عليها مدار الدين"[۲]

ترجمہ: "میانہ روی اور سنت نبوی کو مضبوطی سے پکڑے رہنے پر دین کا مدار ہے۔"

(۶) عائلی زندگی اور حقوق و فرائض میں اعتدال:

اسلامی شریعت اپنے تمام پہلوؤں کی طرح عائلی احکام کے سلسلے میں بھی معتدل ہے۔ اسلام نہ تو بلا قیود و حدود تعدد ازدواج کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی تعدد ازدواج کو سرے سے غلط قرار دیتا ہے۔ تعدد ازدواج کی اجازت اس نے اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ اپنی تمام بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں انصاف کرو، اگر انصاف نہیں کر سکتے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔ اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً"[۳]

"اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔"

اسلام نے جہاں جائز طریقہ سے جنسی خواہشات کی تکمیل کی اجازت دی ہے وہاں حرام طریقے سے اس کی تکمیل پر سخت وعید سنائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ-الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ- وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ- وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ- وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ- اِلَّا

---

[۱] الفرقان ۲۵:۶۷

[۲] ابن قیم الجوزیہ، شمس الدین محمد بن ابی بکر، اغاثۃ اللھفان من مصاید الشیطان، مکتبۃ المعارف، السعودیۃ، س ن، ۱/ ۱۳۱

[۳] النساء ۴:۳

عَلٰٓي اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ- فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ"[1]

"بے شک دونوں جہاں میں بامراد ہو گئے وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں اور جو بے ہودہ امر سے منہ پھیرے ہوتے ہیں اور جو زکوۃ ادا کرتے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں کے اور ان کنیزوں کے جو ان کے ہاتھوں کی ملکیت ہیں تو بے شک انہیں ملامت نہیں کی جائے گی اور جس نے خواہش کی ان دو کے ماسوا تو یہی لوگ حد سے بہت تجاوز کرنے والے ہیں۔"

ان آیات میں ایک مومن کی کامیابی کی شرائط بیان کی گئی ہیں لیکن ان میں یہ شرط نہیں کہ انسان جنسی عمل سے مکمل پرہیز کرے بلکہ اُسے اس معاملے میں آزادی دی گئی ہے کہ وہ اپنی بیوی یا لونڈی سے جنسی خواہش کی تکمیل کر سکتا ہے لیکن زنا سے نہیں۔ کتاب و سنت میں نکاح کی ترغیب دی گئی ہے اور بلا کسی عذر نکاح نہ کرنے کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے، خواہ انسان پاک دامنی کی زندگی ہی کیوں نہ گزار رہا ہو۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ جنگوں میں مصروف ہوتے تھے حالانکہ اس دوران ہمارے لیے جنسی خواہش کی تکمیل کی کوئی صورت نہیں ہوتی تھی۔ ایک بار ہم نے سوال کیا کہ کیا ایسی صورت میں ہم اپنے آپ کو خصی نہ کرالیں؟ آپ ﷺ نے ہمیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور ہمیں اجازت دی کہ ہم معمولی چیز کے عوض میں عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جن طیب چیزوں کو حلال قرار دیا ہے ان کو حرام نہ ٹھہراؤ اور حد سے تجاوز نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔[2]

اسلام طلاق کے سلسلے میں بھی اعتدال کی راہ پر گامزن ہے۔ وہ نہ تو کیتھولک کی طرح اس بات کا قائل ہے کہ خواہ ازدواجی زندگی جہنم کا نمونہ ہی کیوں نہ بن جائے طلاق دینا حرام ہے اور نہ ہی آرتھوڈوکس کی طرح اس بات کا قائل ہے کہ سوائے زنا کے کسی بھی صورت میں طلاق کی اجازت نہیں ہے اور نہ ہی وہ ان لوگوں کی مانند ہے جنہوں نے طلاق کی اجازت بلا قید و شرط دے رکھی ہے۔ اسلام نے طلاق کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے جب علاج کے دیگر تمام وسائل ناکام ہو جائیں اور صلاح و پنچایت کی کوئی گنجائش یا کوشش کارگر نہ ہو تو ایسی صورت میں طلاق دی جا سکتی ہے۔

---

[1] المؤمنون ۲۳: ۱-۷

[2] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب مایکرہ من التبتل و اخصاء، رقم: ۵۰۷۵

شریعتِ اسلامیہ نے زندگی کے تمام معاملات میں اعتدال و توازن قائم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام نے انسانیت کو جو قوانین وضوابط دیئے ہیں ان میں مکمل اعتدال و توازن اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ انسانی حقوق و فرائض ہی کو لیں تو ان میں بھی ہمیں اعتدال و توازن نظر آئے گا۔ مثلاً زوجین کے بارے میں ارشاد ہے:

"وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ"[1]

"اور عورتوں کے لیے معروف طریقے سے ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ہیں۔"

اسی طرح حدیثِ نبوی میں ہے:

"أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ، وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ، وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ، أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ"[2]

"آگاہ ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور ہر ایک جواب دہ ہے، امام رعایا کا نگراں ہے اور وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہے مرد اپنے اہل و عیال کا نگراں ہے اور وہ اس کا جواب دہ ہے عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں اور اس سے متعلق جواب دہ ہے اور نوکر مالک کے مال کا نگراں ہے اور وہ اس کے بارے میں جواب دہ ہے۔ خبر دار! تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور ہر ایک کو جواب دہی کرنی ہے۔"

غرض اسلامی تعلیمات خواہ وہ تکوینی امور کے بارے میں ہوں یا تشریعی امور کے بارے میں ان میں مکمل اعتدال و توازن پایا جاتا ہے اسی طرح اسلام کے عطا کردہ انسانی حقوق و فرائض میں توازن و توافق پایا جاتا ہے، جب کہ یہ توازن و توافق دیگر مذاہب کی تعلیمات میں نہیں ملتا۔

---

[1] البقرۃ ۲:۲۲۸

[2] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ، اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، رقم: ۷۱۳۸